اختلاف دین کے باعث غیر مسلم اقرباء کی وراثت کا مسئلہ

نصرت جبین*

ABSTRACT:

As for the inheritance of a person who hold such estoeric belief and doctrines that contradict Islam, Therefore according to the teachings of Islam he is not entitled to inherit from his Muslim relatives and they do not inherit from him as well because disparity in religion is one of the impediments of inheritence. A Muslim can not inherit from a non-Muslim relative nor can a non-Muslim inherit from his Muslim relative. Usaamah Ibn Zayd (R.A) reported that the Prophet ﷺ said "A Muslim is not allowed to inherit (any thing from a) non Muslim and non-Muslim is not allowed to inherit from a Muslim (Al-Bukhari, Muslim) and So it approved from the above mentioned Hadees but the issue that has become more common in non-muslim countries is related to those persons who have converted to islam and are living in these countries.According to Sharia they are not allowed to take their part in inheritance but in some cases the situation becomes harmful for the muslims when this estate is allocated to any NGO or organization which uses it against muslim interests so the question arises,is it not better for the converted Muslims to take their share of inheritance according to country law considering a gift from their non-muslim relatives.

The fallowing discussion is about this issue.

Keywords: Inheritance, Estoeric, Impediments, Muslim, Non-muslim, Converted, Relatives.

اختلافِ دین کے باعث غیر مسلم اقرباء کی وراثت اگرچہ آج کا نیا مسئلہ نہیں لیکن موجودہ حالات میں جہاں بے شمار دیگر تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور نئے مسائل نے جنم لیا ہے وہاں ایک مسئلہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے حوالے سے ہے۔ غیر مسلم ممالک میں اسلام کی اشاعت کو جہاں فروغ مل رہا ہے وہاں کچھ مسائل اِن نومسلمین کو درپیش ہیں جن کا حل تلاش کرنا ضروری ہے انہیں مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ غیر مسلم اقرباء کی وراثت کا ہے۔ مسلمان کا فر اور کافر مسلمان سے وراثت نہیں پا سکتا کیونکہ حدیث صحیح سے یہ نص ثابت ہے لیکن مذکورہ ممالک میں وراثت کو نہ لینے کے کچھ نقصانات ہیں جو بعض صورتوں میں وراثت لے لینے سے زیادہ بڑے ہیں۔ ان حالات میں اس مسئلہ کا مناسب حل کیا ہو؟ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ایک تفصیلی فتویٰ دیا ہے جس میں وراثت کا حصہ لینے کا جواز پایا جاتا ہے جبکہ جمہور فقہاء کی رائے اس کے خلاف ہے۔ محققہ نے زیر نظر اس فتویٰ کا جائزہ فقہاء کی آراء کی روشنی میں لیا ہے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ اسلامیہ کالج کوپر روڈ لاہور برقی پتا: nusrat029@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۵/۶/۶ء

میراث کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

مصدری معنی کے اعتبار سے میراث کا مفہوم یہ ہے:

’’(ورث) کے معنی فلاں شخص نے کسی کو اپنا وارث بنایا اور اس وراثت کے ذریعے اپنے مال میں اُسے مداخلت کا حق دیا اور فلاں نے فلاں کو اپنی میراث دی بعض کا بعض کو کسی چیز کا وارث بنایا۔‘‘(۱)

جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

فھب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعله ربی رضیا (۲)

میراث کی تعریف شرح الکبیر میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

’’علم میراث ایسے فقہی اور حسابی قواعد کا علم، جس کی بنیاد پر وراثت کے مستحق کو معلوم کیا جا سکے اور ہر وارث کا حق کیا ہے؟ نیز وراثت میں حصہ پانے کے اسباب اس کی شرائط اور موانع کا علم ہو سکے۔‘‘(۳)

موانع ارث: موانع ارث سے مراد ہے جس کی بنیاد پر وارث ہونے کی اہلیت ختم ہو جائے، باوجود اس کے اسباب پائے جاتے ہوں مثلاً قرابت یا نکاح یا حق ولاء وغیرہ۔

ماہرین علم فقہ اور میراث نے موانع ارث کی تعریف یوں کی ہے:

’’میراث کا حق دار ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو شرعاً میراث کا حق دار ہونے میں رکاوٹ ہو، جن اسباب کی وجہ سے آدمی حق میراث سے محروم ہو جاتا ہے وہ ’’موانع ارث‘‘ کہلاتے ہیں چار چیزیں موانع ارث ہیں۔(i) قتل، یعنی قاتل، مقتول کے مال میں وارث نہ ہوگا چاہے اس نے قتل عمد کیا ہو یا شبہ عمد، یا قتل خطا یا قائم مقام خطا، قتل بالسبب مانع ارث نہیں۔(ii) اختلاف دین، یعنی مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ (iii) اختلاف دار، یعنی رشتہ مندی کے اعتبار سے جو دو اشخاص مورث اور وارث بنتے ہیں، ان میں سے ایک کا وطن اسلامی مملکت (دارالاسلام) میں ہو اور دوسرے کا وطن دارالحرب، یعنی ایسے ملک میں ہو، جہاں دستوری طور پر مسلمانوں کو اپنے مذہب پر رہنے کی اجازت نہ ہو۔(iv) غلام یعنی غلام اپنے اقرباء سے میراث نہیں پا سکتا، کیونکہ اس میں مال کا مالک بننے کی صلاحیت نہیں۔‘‘(۴)

وہ موانع جو ایک فرد اور میراث کے درمیان رکاوٹ بنتے ہیں۔وہ تین ہیں۔

(۱) غلامی (۲) قتل (۳) اختلاف دین۔

ان میں چونکہ اختلاف دین اس وقت موضوع بحث ہے۔لہٰذا اسی کے حوالے سے تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں۔

اختلافِ دین:

اختلاف دین کا مطلب دین کا مختلف ہونا۔اختلاف دین موانع ارث میں شامل ہے۔یعنی جب مورث اور وارث کا دین مختلف ہو، تو آپس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔اختلاف دین کی مختلف شکلیں ہیں۔مثلاً کبھی وارث مسلمان ہو اور مورث غیر مسلم کبھی وارث غیر مسلم ہو اور مورث مسلمان۔

اختلافِ دین عدم توریث کا باعث ہے اس حوالے سے وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

''مورث اور وارث کے درمیان اسلام وغیر مذاہب کے ذریعے دین کا اختلاف مذاہب اربعہ کے اتفاق سے مانع ارث ہے۔لہٰذا مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔خواہ (وراثت کا حق) رشتہ داری یا زوجیت کی وجہ سے ہو۔دلیل نبی ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا''۔(۵)

مختلف ادیان کے افراد کا آپس میں ایک دوسرے کی وراثت نہ پانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔ولأنهم لا يتناصرون ولا يتعاقلون، ولا يوالى بعضهم بعضا۔(۶)

وراثت کا حکم مسلمان اور کافر کے مابین:

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کے ترکہ میں کسی چیز کا وارث نہیں بن سکتا خواہ وراثت میں اس کا استحقاق سبب زوجیت یا قرابت ہو لہٰذا کافر بیوی اپنے مسلمان شوہر کی وارث نہیں بن سکتی اسی طرح کافر بیٹا اپنے مسلمان والد کا وارث نہیں بن سکتا۔اسی طرح باقی رشتوں کا تعلق ہے۔

''اسی طرح اختلافِ دین مانع ارث ہے اور اس سے مراد اسلام اور کفر کے درمیان اختلاف ہے۔
آپ ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان کافر اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا''۔(۷)

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔اختلاف کا سبب یہ امر ہے کہ کیا مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے۔اس حوالے سے فقہاء کے درمیان جواز اور عدم جواز دونوں طرح کے دلائل پائے جاتے ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں: جمہور فقہاء یعنی فقہائے احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور اہل ظاہر اور جمہور صحابہ کی رائے کے مطابق مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا خواہ ان کے درمیان نسبی یا قرابت داری کا رشتہ موجود ہو یا یہ تعلق زوجیت کا ہو کافر خواہ حربی ہو یا ذمی یا مرتد۔یہ رائے عمرو بن عثمان، عروہ، زہری، عطاء، طاؤس، حسن، عمر بن عبدالعزیز، ثوری اوزاعی، لیث بن سعد ابو عبید، داؤد بن علی، طبری اور عام فقہاء کی ہے۔(۸)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا''۔(۹)

امام ابن حزم نے اس حدیث پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

عن أسامة بن زيد عن النبی صلی الله عليه و سلم قال، لا يرث الكافر المسلم و لا المسلم الكافر، وهذا عموم لا يجوز أن يخص منه شی"(۱۰)

یعنی اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کو کافر اور کافر کو مسلمان کا وارث بننے سے منع فرمایا (خواہ کافر سے رشتہ قرابت کا ہو یا زوجیت کا، وہ حربی ہو یا ذمی یا مرتد) یہ حکم عام ہے۔ لہٰذا کسی دلیل کے بغیر اس کو خاص کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مزید برآں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"مسلمان کسی عیسائی کا وارث نہیں ہوگا، سوائے اپنے غلام یا اپنی باندی کے"۔(۱۱)

اس حدیث میں مسلم و کافر کے مابین وراثت جاری ہونے کی مطلق نفی آئی ہے لہٰذا اس میں تخصیص کی گنجائش نہیں۔ صرف غلام اور باندی کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ مسلمان حق ولاء کی بنیاد پر وارث ہوتا ہے اور وہ یہاں پر مفقود ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور ان کے والد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"دو مختلف مذاہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے"۔(۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"ایک مذہب والے دوسرے مذہب والے کے وارث نہیں ہوں گے"۔(۱۳)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"دو مختلف ملتوں کے افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے"۔(۱۴)

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ وارث و مورث کے دین کا اختلاف موانع ارث میں سے ہے۔ اسلام کفر سے الگ دین ہے لہٰذا دونوں کے ماننے والے یعنی مسلمان اور کافر کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوسکتی۔

سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ محمد بن اشعث نے انہیں بتایا کہ ان کی یہودی پھوپھی انتقال کر گئیں اور انہوں نے اس کا تذکرہ حضرت عمرؓ سے کیا اور دریافت کیا کہ اس کا وارث کون ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس کے ہم مذہب رشتہ دار، پھر وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس آئے اور یہی سوال پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ تم حضرت عمرؓ کا قول بھول گئے، ان کا قول ہے: اس کے ہم مذہب رشتہ دار ہی اس کے وارث بنیں گے۔(۱۵)

امام زہریؒ اس حدیث کے حوالے سے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لا يرث المسلم الكافر و لا الكافر المسلم على عهد رسول الله ﷺ و لا عهد أبی بكر و لا عهد عمر فلما ولی معاويه ورث المسلم من الكافر ولم يورث الكافر من المسلم، قال فأخذ بذلك الخلفاء حتى قام عمر بن عبدالعزيز، فراجع السنة الأولى ثم أخذ بذلك يزيد بن عبدالملك فلما قام هشام بن عبدالملك أخذ سنة الخلفاء۔"(۱۶)

حضورﷺ اور حضرت ابوبکر وعمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی کافر مسلم کا، جب امیر معاویہؓ کا دور آیا تو انہوں نے مسلمان کو کافر رشتہ دار کا وارث قرار دیا، البتہ کافر کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیا۔ بعد کے خلفاء بھی اسی رائے پر قائم رہے لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے پہلے والی رائے کو اختیار کیا، اسی کو یزید بن عبدالملک نے بھی اختیار کیا، اس کے بعد جب ہشام بن عبدالملک نے خلافت کا عہدہ سنبھالا تو انہوں نے دوسری رائے کو فروغ دیا۔

موالات اور مناصرت اسلامی نظام وراثت کی بنیاد ہیں:

اسلام کے نظام وراثت کی بنیاد وارث اور مورث کے درمیان ''مناصرت'' اور ''موالات'' ہے۔ مسلمان اور کافر کے درمیان ولایت ونصرت نہیں ہوتی کیونکہ دین کا فرق ان دونوں کے درمیان ''دوستی'' سے مانع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ اُن میں سے بعض بعض کے دوست ہیں''۔(۱۷)

مزید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:

''جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔(۱۸)

ان آیات میں اگر ولایت سے مراد وراثت لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ مسلم وکافر کے درمیان توارث کا تعلق قائم نہیں ہوگا۔ اختلاف دین کے ساتھ ساتھ اختلافِ دار بھی مانع ارث ہے کیونکہ عدم موالات ان کے درمیان موجود ہے۔

ابن قدامہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

''کوئی حربی ذمی کا وارث نہیں ہوگا اور کوئی ذمی حربی کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ ان کے درمیان موالات منقطع ہے۔ جہاں تک مستامن کا تعلق ہے تو وہ اہلِ حرب اور اہل دارالاسلام سے وراثت پائے گا۔ یہی بات امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے کہی ہے سوائے مستأمن کے کہ وہ ذمی سے وراثت نہیں پائے گا کیونکہ دونوں کے دار مختلف ہیں''۔(۱۹)

اختلاف دین مانع ارث ہے اس حوالے سے جمہور فقہاء کی آراء سے جو استدلال کیا گیا ہے، اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اختلافِ دین کی وجہ سے وراثت باہم جاری نہیں ہوسکے گی۔

''یعنی اختلاف دین مانع ارث ہے اور اس سے مراد اسلام اور کفر کے مابین اختلاف ہے اور جہاں تک کافر ملتوں کے اختلاف کا تعلق ہے جیسے عیسائی اور یہودی اور مجوسی اور بتوں کے پجاری تو ان کے درمیان یہ دین کا اختلاف مانع ارث نہیں اور اختلاف دارین بھی مانع ارث ہے۔ لیکن یہ حکم اہل کفر کے حق میں ہے مسلمانوں کے حق میں نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں مرجائے اور اس کا وارث بیٹا دارالاسلام میں ہو (تو وہ وراثت نہیں پا سکتا) پھر اختلافِ دار بھی دو طرح سے ہے۔ جیسے حربی اگر وہ دارالحرب میں مرجائے اور اس کا باپ یا بیٹا جو کہ ذمی کی حیثیت سے دارالاسلام میں ہوں

تو وہ حربی کی وراثت نہیں پاسکتے اوراسی طرح اگر ذمی دارالاسلام میں مرگیااوراس کا بیٹا یا باپ دارالحرب میں ہوں تو وہ ذمی سے وراثت نہیں پاسکتے جس طرح حربی نہیں پاسکتا"۔ (۲۰)

لیکن ابن قدامہ کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی ملت کے لوگ آپس میں وارث ہوں گے چاہے اختلاف دار ہی کیوں نہ ہو۔ وقیاس المذهب عندک، أن الملة الواحدة یتوارثون، وان اختلفت دیارهم، لأن العمومات من النصوص تقتضی تورثیهم، ولم یرد بتخصیصهم نص ولا إجماع ولا یصح فیهم قیاس، فیجب العمل بعمومها ومفهوم قوله علیه السلام. لا یتوارث أهل ملتین شتی أن أهل الملة الواحدة یتوارثون وضبطه. (۲۱)

یعنی ابن قدامہ کے نزدیک مذہب قیاس یہ ہے کہ ایک ملت کے لوگ آپس میں وارث ہوتے ہیں اگرچہ اختلاف دار ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ نصوص میں سے عموماً وراثت کا تقاضا کرتی ہیں اور نص سے ان کی کوئی تخصیص وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی اجماع ہے اوراس میں قیاس کرنا صحیح نہیں۔ پس اس کے عموم پر عمل کیا جائے گا اور وہ مفہوم نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو مختلف ملتوں کے لوگ آپس میں وارث نہیں ہوسکتے۔

یہاں امام احمد بن حنبل کا مؤقف امام ابو حنیفہ سے مختلف نظر آرہا ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ ایک ہی ملت کے افراد کو اختلاف دار کی وجہ سے وارث نہیں ٹھہراتے جب کہ امام احمد بن حنبل ایک ہی ملت کے لوگوں کو اختلاف دار کے باوجود باہم وارث ٹھہراتے ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل

حضرت معاذؓ اور حضرت معاویہؓ کے مسلک کے مطابق مسلمان کافر کا وارث ہوگا لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

جس حدیث سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں وہ ابوالاسود دؤلی والی حدیث ہے کہ حضرت معاذؓ جب یمن کے گورنر تھے تو وہاں کے لوگوں نے ایک یہودی سے متعلق مسئلہ دریافت کیا جو مر چکا تھا اوراس نے ایک مسلمان بھائی کو چھوڑا تھا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

"بے شک اسلام اضافہ کا باعث ہے نقصان کا باعث نہیں"۔ (۲۲)

اس روایت کی بنیاد پر حضرت معاذؓ نے مسلمان کواس یہودی کا وارث قرار دیا۔ اس حدیث کو دلیل اس لیے بنایا گیا کہ اسلام مسلمانوں کے حق میں اضافہ کرتا ہے۔ ان کے حقوق کی کمی کا سبب نہیں بنتا لہٰذا تقاضا یہ بنتا ہے کہ مسلمان غیر مسلم سے وراثت پائے لیکن غیر مسلمان کسی مسلمان کا وارث نہ ہو کیونکہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرے اور قبول اسلام سے پہلے وہ کافر رشتہ داروں سے وراثت میں کچھ مال پا رہا تھا اوراسلام قبول کرنے کے بعد وہ اس سے محروم کردیا جائے تو گویا اسلام اس کے حق کو کم کرنے کا سبب بنے گا جو کہ درست نہیں ہوگا۔

اس حدیث پردرج ذیل اعتراضات کیے گئے ہیں۔

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۲) یہ حدیث اس مسئلے کے حوالے سے نص صریح نہیں ہے۔

(۳) کافر کا مسلمان سے وراثت نہ پانے کی وجہ اسلام نہیں بلکہ کافر کا کفر ہے اور وہ اس لائق نہیں کہ مسلمان اس کو اپنا جانشین بنائے۔ لہٰذا اس کمی کو اسلام کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔

امام سرخسی لکھتے ہیں۔

"کافر کے کفر کے سبب نفی توریث ہے کیونکہ وہ خبیث ہے مسلمان اُسے اپنا جانشین نہیں بنا سکتا اور یہ نقصان مسلمان کے اسلام کی وجہ سے نہیں جیسے شوہر جو مسلمان ہو جائے اور بیوی مجوسیہ ہو اُن دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی کیونکہ وہ خبیثہ ہے اور وہ مسلمان کی اہلیہ نہیں بن سکتی"[۲۳]

اعتراضات کے جوابات:

(۱) امام حاکم نے اپنی مستدرک میں یحیٰی بن یعمر عن ابی الاسود کی سند سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔

أخبرنا محمد بن يعقوب الحافظ حدثنا يحيىٰ بن محمد بن يحيى حدثنا مسدد عن شعبة عن عمرو بن أبى حكيم عن أبى بريدة عن يحيى بن يعمر عن أبى الأسود عن معاذ بن حبل رضى الله عنه أنه أتى فى ميراث يهودى وله وارث مسلم فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الإسلام يزيد ولا ينقص هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه تعليق الذهبى فى التلخيص، صحيح۔[۲۴]

(۲) دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ وراثت کے مسئلے پر یہ نص صریح نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ صحابی رسول ہیں اور ان کا شمار آنحضرت ﷺ کے اُن جلیل القدر اصحاب میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے فرمودات کی زیادہ سمجھ دی تھی۔ آپؐ کا یہ فرمان آپ کے جوامع الکلم کا حصہ ہے اور اس کا زیادہ بہتر مفہوم بھی آپ کے اصحاب اور اُن میں سے بھی ایسے چیدہ افراد زیادہ سمجھتے تھے اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "الإسلام يزيد ولا ينقص" میں زیادتی ہوگی اور اسلام سربلند رہے گا لیکن اس عزت وشرف کا ہی تو یہ پہلو بھی ہے کہ مسلمان کافر سے وراثت پائے اور کافر مسلمان سے وراثت نہ پائے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح آپؐ نے مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کرنے سے منع کیا اور یہ بات میراث سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

(۳) جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ کافر کا مسلمان سے وراثت نہ پانے کی وجہ اسلام نہیں بلکہ کافر کا کفر ہے، لہٰذا کفر کی موجودگی ولایت میں مانع ہے۔اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کافر کا کفر اگر چہ ولایت کی مانع ہے لیکن جب کافر کے مال کو بطور عطیہ، ھبہ اور بیع کے قبول کیا جا سکتا ہے تو میراث میں بھی مانع نہیں ہونا چاہیے۔

دوسری حدیث جس کے مفہوم میں اختلاف ہوا ہے، وہ یہ ہے:

''اسلام سربلند ہوکر رہنے ولا ہے کمتر رہنے والا نہیں''۔(۲۵)

یعنی اسلام کی سربلندی کا مفہوم اس طرح لیا گیا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلمان کا مرتبہ کافر سے بلند تر ہے اور کافر کا درجہ مسلمان سے کم تر ہے۔

اس حدیث پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ''علوٗ' اصل میں جن معنوں میں استعمال ہوا ہے وہ اسلام کی دیگر ادیان کے مقابلے میں سربلندی ہے۔اس میں میراث کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا، جبکہ حدیث **لا یرث المسلم الکافر** (۲۶) اس کے مقابلے میں نص صریح ہے، جبکہ ''**الاسلام یعلوا ولا یعلی علیہ**'' (۲۷) ایک مجمل حدیث ہے۔مجمل کے مقابلے میں صریح کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے جبکہ تمام فقہائے اربعہ کا اس پر اتفاق بھی ہے۔اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اسامہ والی حدیث اور حضرت معاذؓ والی حدیث کے درمیان تطبیق ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ اسامہؓ والی حدیث میں کافر سے مراد حربی لیا جائے کیونکہ لفظ کافر ہر طرح کے کافر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔لیکن بعض اوقات اس کا استعمال مخصوص قسم کے لیے ہوتا ہے۔

> ''جس نے حضرت معاذؓ اور حضرت معاویہؓ کے قول کی موافقت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کا فرمان ''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا'' میں کافر سے مراد حربی کافر ہے۔ منافق، مرتد اور ذمی مراد نہیں۔ جہاں تک لفظ کافر کا تعلق ہے اگر اس کے عمومی معنی لیے جائیں تو اس سے مراد ہر طرح کا کافر ہوگا کیونکہ یہ لفظ کفار کی بعض اقسام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے''۔(۲۸)

۴۔ اپنے موقف کی تائید میں قائلین جواز ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن وہ ہماری عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے اسی طرح یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہم ان سے وراثت حاصل کریں لیکن وہ ہم سے وراثت نہ پائیں۔

نحن ننكح نساء هم ولا ينكحون نسآء نا، فكذلك يجب أن نرثهم ولا يرثونا۔(۲۹)

۵۔ علماء کے ایک گروہ نے لفظ کافر سے مراد حربی لیا ہے یعنی **لا یرث المسلم الکافر** میں کافر سے مراد ذمی نہیں بلکہ حربی ہے اور اسی کو امام ابن قیم نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے کیونکہ اس رائے کے نتیجے میں کوئی ذمی اس لیے اسلام قبول

کرنے سے نہیں رکے گا کہ قبول اسلام کی صورت میں وہ اپنے عزیز و اقارب کا وارث نہیں بن سکے گا۔

''اُن (ذمی غیر مسلم) میں سے زیادہ تر کو یہ خوف اسلام میں داخلے سے روکتا ہے کہ اگر ان کے رشتہ دار مر گئے اور اپنا مال چھوڑ گئے تو وہ ان کی وراثت میں سے کچھ بھی نہیں پا سکتے لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اسلام اُن کی میراث میں مانع نہیں تو اُن کی اسلام میں رغبت زیادہ بڑھ گئی''۔ (۳۰)

سنت متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ منافقین کا ترکہ ان کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوا۔ابن قیم اپنے استاد امام ابن تیمیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری احکام میں منافقین کے ساتھ بالکل مسلمانوں والا معاملہ کیا تھا وہ مسلمانوں کے اور مسلمان ان کے وارث ہوتے تھے۔عبداللہ بن اُبی کا صاحب ایمان بیٹا اپنے والد کا وارث ہوا۔رسول کریم ﷺ نے کسی بھی منافق کے ترکہ میں سے کچھ نہیں لیا اور نہ اسے مال غنیمت قرار دیا۔

ابن قیم اس حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ میراث کا دار و مدار عقیدہ یا باطنی ولاء پر نہیں بلکہ میراث کا دار و مدار ظاہری امور پر ہے:۔

فعلم أن الميراث مداره كعلى النصرة الظاهرة على إيمان القلوب والموالاة الباطنة۔ والمنافقون فى الظاهر ينصرون المسلمين على أعدائهم وإن كان من وجه آخر يفعلون خلاف ذلك فالميراث مبناه على الأمور الظاهرة لا على ما فى القلوب۔(۳۱)

''ظاہر میں مسلمانوں کے اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں مددگار ہوتے تھے۔لیکن عملاً اس کے خلاف کرتے تھے۔ لہٰذا میراث کی بنیاد ظاہری امور پر ہے نہ کہ باطنی ولاء پر''۔

یورپی افتاء کونسل کے پانچویں سیمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا جس میں کونسل کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کو اس کے کافر رشتہ داروں کی وراثت سے اور ان کی وصیت سے محروم نہ کیا جائے۔کونسل کے اہم رکن ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اسی مسئلہ کے حوالے سے ایک سائل کے جواب میں جو فتویٰ دیا وہ تفصیل کے ساتھ اُن کی کتاب ''**فی فقه الاقليات المسلمه**'' میں موجود ہے۔اس فتویٰ میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے حدیث ''**لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم**'' کے حوالے سے جن توجیہات کا تذکرہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ملکی قوانین کے مطابق مال لے لینا زیادہ بہتر ہے۔

ہمارے نزدیک اگرچہ جمہور اس کے قائل نہیں لیکن یہ رائے راجح ہے ہمارے نزدیک اسلام مسلمان کو حاصل ہونے والی کسی ایسی خیر کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا ہے جس سے مسلمان توحید و طاعت خداوندی اور خدمت دین میں مدد لے اور مال کے سلسلے میں اصل یہ ہے کہ اس کا حصول اللہ کی اطاعت کے لیے ہو، معصیت کے لیے نہیں، اس کے سب سے زیادہ

حق دار اہل ایمان ہیں۔ اگر ملکی قوانین مسلمان کے لیے کسی مال یا ترکہ کی اجازت دیتے ہیں تو ہمیں انہیں اس سے محروم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں یہ مال کافروں کو ملے گا اور وہ اسے حرام جگہوں پر استعمال کریں گے نیز اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں گے۔(۳۲)

۲۔ یہ حدیث مؤوّل ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی اس حدیث کو مؤوّل قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک جس طرح حنفیہ حدیث **لا یقتل مسلم بکافر**"(۳۳) یعنی کوئی مسلمان کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس میں کافر سے مراد حربی ہے اسی طرح مسلمان حربی کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ دونوں کے درمیان ہر طرح کا تعلق منقطع ہو گیا۔

وأما حديث "لا يرث المسلم الكافر و لا الكافر مؤوله بما أول به الحنيفية حديث "لا يقتل مسلم بكافر" وهو أن المراد بالكافر الحربى فالمسلم لا يرث الحربى المحارب للمسلمين بالفعل۔ لا نقطاع الصلة بينهما۔"(۳۴)

۳۔ کفار کی طرف سے وراثت کو وصیت بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر قرضاوی کی رائے میں اس میراث کو مرنے والے کی طرف سے وصیت بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ کافر کی وصیت مسلمان کے لیے اور مسلمان کی وصیت غیر حربی کافر کے لیے بلا شک وشبہ جائز ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں (غیر مسلم) کے ہاں اپنے پورے مال کی وصیت اپنے کتے کے لیے بھی جائز ہے تو پھر بیٹے کے لیے تو بدرجۂ اولیٰ ہو گی۔"(۳۵)

۴۔ وراثت کا یہ مال غیر مسلم ممالک سے حاصل ہونے والے سود کی مانند ہے۔

ڈاکٹر قرضاوی کے مطابق غیر مسلم سے حاصل ہونے والے ورثہ کو ان ممالک کے بینکوں سے حاصل ہونے والے سود کی مانند قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ان ممالک کے بینکوں سے حاصل ہونے والے سود کو لے کر خیر کے کاموں میں استعمال کرنا زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ان بینکوں میں ہی اسے چھوڑ دیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ شر کے کاموں میں نیز مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سازشوں میں استعمال ہو۔(۳۶)

محققہ نے ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے بیان کردہ ان دلائل اور توجیہات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ایک سوالنامہ ترتیب دیا اور اسے مختلف دارالافتاء کو ارسال کیا تاکہ عصر حاضر کے نئے مسائل اور حالات کے پیش نظر اس مسئلہ کی بابت فقہاء کی رائے معلوم کی جا سکے۔ ارسال کردہ سوالنامہ کے چار جوابات موصول ہوئے یہ جوابات دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور، دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند، ہندوستان، دارالافتاء جامعہ منصورہ (مولانا عبدالمالک) لاہور اور دارالافتاء والارشاد جامعہ الحمید رائیونڈ روڈ لاہور سے موصول ہوئے۔ ان جوابات کو ذیل میں سوالنامے کے ہمراہ نقل کیا جا رہا ہے۔ مفتیانِ

کرام سے موصول ہونے والے فتاویٰ میں دو فتاویٰ جامعہ اشرفیہ اور جامعہ الحمید سے جو موصول ہوئے یکساں نوعیت کے ہیں جبکہ جامعہ اسلامیہ دیوبند سے موصول ہونے والے فتویٰ میں فقہائے اسلاف کی تائید میں فتوی ہے لیکن آخر میں مجبوری اور اکراہ کے پیش نظر اکلوتا مسلمان وارث ہونے کی شکل میں ملکی قوانین کے مطابق مال لے کر خیر کے کاموں میں لانے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ جامعہ منصورہ سے موصول ہونے والا جواب کافی حد تک ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے فتویٰ کی تائید میں ہے البتہ انہوں نے حدیث کو موؤل قرار دینے کی نفی کی ہے اور وصیت کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے اور اس مال کو بینکوں سے حاصل ہونے والے سود کی مانند قرار دیے جانے کی بھی تائید کی ہے تا کہ اسے مسلمانوں کے مفادات میں استعمال کیا جاسکے۔ یہ جوابات سوالنامہ سمیت حسبِ ذیل ہیں۔

غیر مسلم اقرباء کی وراثت کا مسئلہ (سوالنامہ)

غیر اسلامی ممالک خاص طور پر مغربی ممالک میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہاں کے مخصوص ماحول میں جن مسائل کا مسلمانوں کو سامنا ہے ان میں سے ایک وراثت کا مسئلہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان ”لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم“ کے مطابق کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔ جمہور فقہاء آئمہ اربعہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔ اب اگر اسی طرح عمل پیرا ہوا جائے تو مسلمان ہونا گویا بہت بڑے خسارے کو مول لینے کے مترادف ٹھہرے گا۔ اس مسئلہ کے حوالے سے ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے فتویٰ کی روشنی میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔ یہ فتویٰ ڈاکٹر قرضاوی نے اسی ماحول سے متاثر ایک نومسلم کے سوال پر دیا ہے۔

۱۔ کیا یہ حدیث موؤل قرار دی جاسکتی ہے؟ کہ اس میں لفظ کافر کی تاویل کی جاسکے۔ جیسے حنفیہ حدیث لا یقتل مسلم بکافر“ وہ اس میں کافر سے مراد حربی لیتے ہیں۔ یعنی حربی کافر اس حدیث سے مراد لیتے ہوئے صرف حربی اور مسلمان کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔ جبکہ ان مذکورہ ممالک کے غیر مسلم حربی نہیں۔

۲۔ کیا کفار کی طرف سے وراثت کو وصیت مانا جاسکتا ہے؟ کیونکہ کافر کی وصیت مسلمان کے لیے اور مسلمان کی وصیت غیر حربی کے لیے جائز ہے پھر ان ممالک میں لوگ بعض اوقات اپنے پورے مال کی وصیت اپنے کتے یا بلی کے لیے بھی کر دیتے ہیں اور ملکی قوانین ایسی وصیت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۳۔ کیا ملکی قوانین کے مطابق مال لے لینا چھوڑ دینے سے زیادہ بہتر نہیں ہے؟ کیونکہ اسلام کسی ایسی چیز کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا جس سے مسلمان توحید وطاعتِ خداوندی اور خدمتِ دین کا کام لے سکے۔ اگر مسلمان یہ مال لینے سے انکار کر دے تو اس صورت میں یہ لازماً حرام کاموں میں استعمال ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں استعمال ہو۔

۴۔ کیا وراثت کے ایسے مال کو غیر مسلم ممالک کے بینکوں سے حاصل ہونے والے سود کی مانند قرار دیا جاسکتا ہے؟

کیونکہ فقہاء اس سود کو ان کے بینکوں میں چھوڑ دینے کے بجائے اسے لے کر خیر کے کاموں میں استعمال کو زیادہ ضروری قرار دیتے ہیں۔

نصرت جبیں

پی ایچ ڈی سکالر جامعہ پنجاب لاہور

1- الجواب باسم الملک الوہاب

واضح رہے کہ حدیث کی رو سے مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا لہٰذا مسلمان کے لیے کافر کے ترکہ سے کچھ بھی لینا بطور وراثت کے جائز نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے مال وجائیداد کو مورث کے کافر ورثاء پر رد کرنا شرعاً لازم ہے اور اس مال میں تصرف کرنا یا کسی مدرسہ مسجد کو دینا بھی گناہ شمار ہوگا۔(امداد الاحکام، کتاب الفرائض)

باقی رہا معاملہ خسارہ والا تو مومن کا خسارہ آخرت والا ہے، دنیا والا نہیں۔حدیث کی رو سے دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ **کما قال اللہ تعالیٰ: وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ.**" (القرآن)

اس تمہید کے بعد پوچھے گئے سوالات کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں:

۱۔ نہیں! اس لیے کہ "**لا یقتل مسلم بکافر**" والی روایت کو فقہاء نے مؤول قرار دیا ہے اور "**لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم**" والی روایت میں فقہاء نے تاویل نہیں کی۔لہٰذا اپنا اجتہاد فقہاء کے خلاف کرتے ہوئے اس روایت کو بھی درج بالا روایت پر قیاس کرتے ہوئے مؤول قرار دینا سخت غلطی کی بات ہے۔ہمارا اجتہاد ان کے خلاف ہرگز معتبر نہ ہوگا۔

۲۔ وراثت کو وصیت کے معنی میں بھی نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ مستند ذرائع سے یہ بھی ثابت نہیں۔حالانکہ اس طرح کے حالات وواقعات پہلے زمانوں میں بھی پیش آیا کرتے تھے۔یہ کوئی نئے پیش آنے والے واقعات نہیں۔

۳۔ یہ مال کافر ورثاء کے حوالہ کرنا شرعاً ضروری ہے کیونکہ صحیح روایت کے ہوتے ہوئے عقل وقیاس کالعدم شمار ہوتے ہیں، وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

۴۔ نہیں! کیونکہ یہ بھی ثابت نہیں، لہٰذا یہ مال کافر ورثاء ہی کو دیا جائے گا، اور یاد رکھئے شریعت مطہرہ کا جب کوئی واضح حکم آجائے تو اس پر عملدرآمد ضروری ہوجاتا ہے، چاہے وہ ہماری سمجھ میں آتا ہو یا نہ آتا ہو، اس لیے کے ہر حکم میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔جو کبھی ہم سے مخفی بھی رہتی ہیں، وہ جانتے ہیں ہم نہیں جانتے، آیت میراث ہی میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد مبارک ہے:"**وکان اللہ علیما حکیما**" (القرآن) فقط واللہ اعلم

شاہد عبید

دارالافتاء جامعہ اشرفیہ، لاہور

۲۰ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ/ ۳۰ جون ۲۰۱۳ء

۲۔ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لایرث المسلم الکافر ''میں کافر سے صرف کافر حربی مراد لینا صحیح نہیں کیونکہ یہ کسی صریح دلیل کے بغیر مطلق کو مقید کرتا ہے جو علمائے اصول کے نزدیک ہرگز درست نہیں اور احناف نے جو حدیث: لا یقتل مومن بکافر'' میں کافر سے صرف کافر حربی مراد لیا ہے اور کافر ذمی کو اس سے خارج مانا ہے اس پر ان کے پاس متعدد آثار وشواہد ہیں، نیز قصاص کے باب میں بنیادی امر مقتول کا محقون الدم ہونا ہے، یہ بات حربی میں تو نہیں پائی جاتی لیکن ذمی میں پائی جاتی ہے، نیز عقد ذمہ میں ذمی کی جان کی حفاظت بھی داخل ہے پس اگر کسی مسلمان کے اسے قتل کرنے پر قصاص نہ لیا جائے تو عقد ذمہ کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ (مزید تفصیل کے لیے اعلاء السنن ۱۸: ۹۸۔۱۱۰ باب قتل المسلم بکافر دیکھیں)۔ کفار کی طرف سے وراثت کو صحیح ودرست قرار دینے کے لیے وصیت کی حقیقت، ارکان کی شکل میں نہ پائے جانے کے باوجود اس کو وصیت فرض کرنا باطل ولغو ہے، شریعت میں احکام شرع کے ابطال کی اس طرح کی فرضی چیزیں باطل وغیر معتبر ہوتی ہیں۔ اگر مرنے والے غیر مسلم مورث کے دیگر غیر مسلم بیٹے وغیرہ موجود ہیں تو ملکی یا مذہبی قانون کی رو سے مسلمان رشتہ دار کو بطور وراثت جو مال مل رہا ہو وہ مسلمان رشتہ دار نہ لے بلکہ ان کے غیر مسلم رشتہ داروں کے حوالہ کر دے، وہ آپس میں اپنے ملکی یا مذہبی قانون کے مطابق تقسیم کرلیں اور اگر ملکی یا مذہبی قانون کی رو سے صرف یہی مسلمان وارث بن رہا ہو جیسا کہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی سے سوال کرنے والے نومسلم برطانوی مستفتی کا حال ہے اور مال نہ لینے کی صورت میں حکومت کی جانب سے اس مال کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کیے جانے کا اندیشہ ہو تو نومسلم کو چاہیے کہ ملکی قوانین کا سہارا لے کر اپنے حصہ کا مال اپنے قبضہ میں لے لے اور پھر بے شک بینک کے سود کی طرح اسے بھی غربا ومساکین پر صدقہ کردے۔

الجواب صحیح محمود حسن بلندشہری

۲۵، ۱۱، ۱۴۳۴ھ

محمد نعمان

۳۔ دارالافتاء جامعہ الحمید رائے ونڈ لاہور

الجواب باسم الملک الوہاب

۱۔ آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کہ ''لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم'' کے مطابق کافر تو بالاجماع کسی مسلمان کے مال کا وارث نہیں بن سکتا اور مسلمان کافر کے مال کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں (اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ علیہم السلام کا مسلک یہی ہے کہ مسلمان بھی کافر کے مال کا وارث نہیں بن سکتا اور بعد میں آئمہ کرام کا اسی پر اتفاق ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان وراثت جاری

نہیں ہوگی، لہٰذا آپؐ کی اس حدیث مبارکہ میں ہمارے لیے تاویل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(عن اسامة بن زيد رضى الله عنه عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم) قال النووى: اجمع المسلمون على ان الكافر لا يرث المسلم واما المسلم من الكافر ففيه خلاف والجمهور من الصحابة والتابعين من بعدهم على انه لايرث ايضا وذهب معاذ بن جبل و معاوية و سعيد بن المسيب و مسروق و غيرهم الى انه يرث من الكافر واستدلوا بقوله عليه الصلاة والسلام الاسلام يعلوا ولا يعلى عليه" وحجة الجمهور هذا الحديث الصحيح والمراد من حديث الاسلام يعلو فضل الاسلام على غير و ليس فيه تعرض للميراث فلا يترك النص الصريح۔ (مرقاة الفاتيح: ٢٠٩/٦)

قال الجصاص فى "الاحكام" واختلف فى ميراث المسلم من الكافر فان الائمة من الصحابة متفقون على نفى التوارث بينهما وهو قول عامة التابعين و فقهاء الامصار وروى شعبة عن عمر بن ابى حكيم عن بن باباه عن يحيى بن يعمر عن الاسود الدولى قال: كان معاذ بن جبل فى اليمن فارتفعوا اليه فى يهودى مات ترك اخاه مسلما فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: "الاسلام يزيد ولا ينقص "وروى ابن شهاب عن داؤد ابن ابى هند قال۔ قال مسروق: ما احدث فى الاسلام قضية اعجب من قضية قضاها معاوية قال كان يورث المسلم من اليهودى والنصرانى، ولا يورث اليهودى والنصرانى من المسلم قال: فقضى بها اهل الشام: قال داؤد: فلما قدم عمر بن عبدالعزيز (من المدينة وقال بالامر) (وهم الى الامر الاول)۔ (اعلاء السنن: ٩٣٣٦/١٨)

۲۔ اس مال کو وصیت نہیں مانا جا سکتا کیونکہ اس میں وصیت کی شرائط وارکان نہیں ہیں۔

فصل: واما شرائط الركن فبعضها يرجع الى نفس الركن وبعضها يرجع الى الموصى وبعضها يرجع الى الموصى له وبعضها يرجع الى الموصى به۔ (بدائع الصنائع: ٤٢٨/٦)

۳،۴ اگر کفار کی طرف سے یہ مال دارالحرب میں مسلمان کو دیا جاتا ہے تو مسلمان کو اس مال کا حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ دارالحرب میں حربی کافر کا مال مسلمان کے لیے لینا مباح ہے بشرطیکہ اس میں دھوکہ نہ ہو اور یہ حدیث کی مخالفت

نہیں۔ کیونکہ اس مال کو بطور وراثت کے نہیں لیتا بلکہ اس وجہ سے لیتا ہے کہ دار الحرب میں مسلمان کے لیے حربی کافر کا مال لینا جائز ہے بشرطیکہ غدر و دھوکہ نہ ہو۔

واذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلا بأس بان یاخذمنهم اموالهم بطیب انفسهم بای وجه کان لانه انما اخذ المباح علی وجه عری عن الغدر فیکون ذالك طیباله والاسیر والمستامن سواء حتی لو باعهم درهما بدر همین او باعهم میتة بدراهم او اخذ مالا منهم بطریق القمار فذالك کله طیب له۔ (شامی: ٤/ ٢٠٩)

بخلاف المسلم المستأمن فی دارالحرب فإنه اخذمالهم برضاهم ولو بربا او قمار لان مالهم مباح لنا الا ان الغدر حرام وما اخذبر ضاهم لیس غدرا من المستأمن۔ (شامی: ٣/ ٢٧٣)

نوٹ: ان مذکورہ غیر مسلم ممالک کے لوگ حربی کافر ہیں کیونکہ جن ممالک میں وہ رہتے ہیں وہ دار الحرب ہیں اور دار الحرب کی تعریف ان پر صادق آتی ہے۔

وذکر الحلوانی رحمه الله علیه انما تصیر دارالحرب باجراء احکام الکفر وان لا یحکم فیها بحکم من احکام الاسلام وان یتصل بدار الحرب وان لا یبقی فیها مسلم ولا ذمی آمنا بالا مان الاول اعنی بامان اثبتها الشارع بالایمان او عقد الذمة فاذا وجدت الشرائط کلها صارت دارالحرب وعند تعارض الدلائل والشرائط یبقی ما کان علی ما کان۔ (بزازیه علی هامش هندیه: ٦/ ٣١٢)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اپنے دور میں ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عزیزی (فارسی) اور صراط مستقیم میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عرفان رحیم، دار الافتاء والارشاد، جامعۃ الحمید لاہور ۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

۴۔ شعبۂ استفسارات جامعہ منصورہ، لاہور

محترمہ نصرت جبیں صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے بخیر عافیت اپنے علمی اور عملی فرائض کو ادا کرنے میں مصروف ہوں گی۔

آپ کے استفسار کا جواب یہ ہے کہ اسلام عدل و انصاف کا جامع نظام ہے۔ اس کا کوئی حکم کار خیر کی راہ میں رکاوٹ

نہیں بنتا۔ لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم کا معنی یہ ہے ”مسلمان کافر سے اور کافر مسلمان سے وراثت قانون میں طلب نہیں کرسکتا۔“ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان اپنے کافر قرابت دار کو اور کافر اپنے مسلمان قرابت دار کو اپنی وراثت میں سے حصہ نہیں دے سکتا بلکہ اس کے جواز کے لیے تو قرآن پاک میں مستقل حکم آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرَنِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ o (البقرہ:۱۸۰) ”جب تم میں سے کسی کی موت قریب ہو تو اس پر لکھی دی گئی ہے وصیت ماں باپ اور دیگر قرابت داروں کے لیے معروف طریقے کے مطابق یہ وصیت حق ہے متقین پر، یعنی ضروری ہے۔“ تقویٰ کا تقاضا ہے کہ وصیت کی جائے مفسرین نے اس آیت میں والدین اور قرابت داروں سے وہ قرابت دار مراد لیے ہیں جو کافر ہوں اور بلا وصیت وراثت کے حق دار نہ ہوں۔ ایسے ورثا کے لیے وصیت کے ذریعے مال پہنچانے کا حکم ہے۔ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

> وقال ابن منذر اجمع كل من يحفظ عنه من اهل العلم على ان الوصية للوالدين الذين لا يرثان والاقرباء الذين لا يرثون جائزة وقال ابن عباس والحسن ايضا وقتادة الاية، وتقرر الحكم بها برهة من الدهر ونسخ منها كل من كان يرث باية الفرائض، وقد قيل ان آية الفرائض لم تستقل بنسخها بل بضميمة اخرى وهى قوله عليه السلام ان الله قد اعطى كل ذى حق حقه، فلا وصية لوارث رواه ابو امامة اخرجه الترمذى وقال هذا حديث حسن صحيح۔ فنسخ الاية انما كانت بالسنة الثابتة لا بالارث على الصحيح من اقوال العلما (ص ۲۶۲ ۔ ۲۶۳)

(ابن المنذر کہتے ہیں: تمام اہل علم جن کی بات محفوظ کی جاتی ہے اسی بات پر ان کا اجماع ہے کہ وصیت ان والدین کے لیے اور قرابت داروں کے لیے جو وارث نہیں ہیں، جائز ہے۔ ابن عباس، حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں: آیت عام ہے اور ایک زمانے تک اس پر عمل بھی جاری رہا ہے اور ان لوگوں کے حق میں جن کو آیۃ الفرائض سے وراثت مل گئی ہے۔ آیت وصیت کا حصہ ان ورثا کے حق میں منسوخ ہو گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت الفرائض نے ورثا کے حق میں آیت کو منسوخ نہیں کیا بلکہ نبی کریم ﷺ کے فرمان: ”یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اس لیے وارث کے بارے میں کوئی وصیت نہیں ہے۔ اس روایت کو حضرت ابو امامۃ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ پس آیت وصیۃ کا ورثا کے بارے میں منسوخ ہونا روایت

میراث سے نہیں بلکہ اس ثابت شدہ حدیث سے ہے۔علما کے اقوال میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔)

پس واضح ہو گیا کہ غیر مسلم والدین اور قرابت داروں کے بارے میں وصیت کا حکم قرآن پاک کی مذکورہ آیت سے ثابت ہے اور یہ آیت چاہے عام ہو، وارث غیر وارث دونوں کو شامل ہو۔اس کے بعد آیت فرائض سے ورثا کے حق میں یہ آیت منسوخ ہو چکی ہو، چاہے غیر مسلم والدین اور قرابت داروں کے ساتھ خاص ہو، دونوں صورتوں میں اس بات پر تو اجماع ہے کہ غیر مسلم والدین اور قرابت دار وصیت کے مستحق ہیں۔اس لیے یورپ میں رہنے والے مسلمان اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ وہ اپنے غیر مسلم قرابت داروں کے ترکہ میں سے حصہ لیں جب کہ وہاں کے قوانین میں اس بات کے لیےکوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے غیر مسلم والدین کے ترکہ میں سے حصہ لے اور اگر والدین سارا مال اس کے نام کر دیں تو پھر وہ سارا مال بھی لے سکتا ہے۔اسی طرح مسلمان اپنے غیر مسلم والدین کے لیے بھی اپنے مال میں سے ایک تہائی مال تک کی وصیت کر سکتا ہے۔البتہ ورثا میں سے جو محتاج ہوں ان کے بارے میں بھی وصیت کو نافذ کیا جائے گا۔اگر باقی وارث راضی ہوں۔(ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی،ص ص ۲۶۵)

او اجاز ذلک الکافة اذا اجازها الورثه ''اہل ظواہر کے علاوہ تمام فقہا نے وارث کے بارے میں وصیت کو جائز قرار دیا ہے جبکہ ورثا نے اس کی اجازت دے دی ہو'' دیارِ کفر میں رہنے والے مسلمان اپنے غیر مسلم والدین کی وراثت میں سے ضرور حصہ لیں۔

حدیث کی جو تشریح کی گئی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث مؤول نہیں بلکہ اپنے ظاہر پر ہے اور مسلمان کے کافر کے وارث نہ ہونے اور کافر کے مسلمان کے وارث نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ قانوناً اور زبردستی کوئی کسی سے وراثت حاصل نہیں کر سکتا لیکن اگر باہمی رضا مندی سے ایسا ہو تو جائز ہے۔

۲۔ کفار کی طرف سے وراثت کو وصیت کے حکم میں داخل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ پوری تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

۳۔ غیر مسلم ممالک کے بنکوں سے جو سود لیا جاتا ہے اسے اس نظریہ سے لے لینا چاہیے کہ اگر نہ لیا گیا تو بنک اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے گا یا غیر مسلم کو دے گا تو وہ اسے اپنی ذاتی یا خلافِ اسلام کاموں میں استعمال کرے گا۔علامہ یوسف قرضاوی نے غیر مسلم ممالک میں مسلمان ہونے والے اشخاص کے لیے غیر مسلم ورثا کے ترکے سے حصہ لینے کو جائز قرار دیا ہے۔اسی طرح مکان بنانے کی خاطر سودی قرضہ لینے کی اجازت دی ہے اور ''سود'' کو مذکورہ بالا نظریہ سے لینے کی اجازت دی ہے تو ہم بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔واللہ اعلم!

والسلام

(مولانا) عبدالمالک

شعبہ استفسارات، جامعہ منصورہ، لاہور

مقالہ نگار کی رائے

دونوں طرح کی آراء کو پیش نظر رکھا جائے تو دوسری رائے یعنی ورثہ میں مسلمان کے لیے مال لے لینا زیادہ موزوں اور میرے نزدیک قابل ترجیح ہے کیونکہ ترکہ لے لینے میں مصلحت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ نومسلمین کو اسلام قبول کر لینے کے بعد جب یہ معلوم ہو کہ وہ اب اپنے غیر مسلم رشتہ دار کی وراثت سے محروم ہو گئے ہیں تو اس بات کا قوی اندیشہ موجود ہے ''کہ وہ اسلام چھوڑ کر دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائیں اسی قسم کے مسئلے کے حوالے سے فتح الباری میں یہ بات منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ کے پاس جب یہ خبر پہنچی کہ بعض کفار صرف اس وجہ سے اسلام قبول کرنے سے ہچکچا رہے ہیں کہ انہیں قبول اسلام کے بعد اپنے اقرباء سے وراثت نہیں ملے گی تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ مسلمان ان سے وراثت پائیں گے لیکن وہ مسلمانوں سے وراثت نہیں پائیں گے، مسروق بن اجدع کہتے ہیں کہ اسلام میں اس فیصلہ سے زیادہ حیرت انگیز کوئی فیصلہ نہیں دیا گیا۔''(۳۷)

دوسری مصلحت جو مال لے لینے میں نظر آتی ہے وہ تالیف قلب ہے کیونکہ نبی ﷺ نومسلمین کی تالیف قلب فرمایا کرتے تھے۔ اب اگر اس انداز کی تالیف قلب موجود نہیں تو کم از کم نومسلم کو اپنے غیر مسلم اقرباء سے مال لے لینے کو تالیف قلب کے مترادف تصور کیا جائے، کیونکہ مؤلفۃ القلوب کی بھی متعدد قسمیں تھیں۔ بعض وہ لوگ تھے جو اسلام قبول کرنے میں پختہ عزم نہیں تھے، جن میں عینیہ بن حصن، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس اسلمی یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا لیکن ان کے ارادے کمزور تھے۔ آپؐ ان کی رغبت بڑھانے کے لیے انہیں کچھ نہ کچھ دیتے رہتے تھے۔ اسی طرح ایک وہ طبقہ تھا جو عرب کا متمول طبقہ کہلاتا تھا یہ ارادوں کے کمزور تو نہ تھے لیکن ان کا معاشرتی مقام ان کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ تھا، جن میں عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر وغیرہ آپؐ ان کی تالیف قلب کے طور پر انہیں نوازتے تھے۔ (۳۸)

فقہی قواعد کو پیش نظر رکھا جائے تو دو مفاسد کی موجودگی میں کم تر کو اختیار کرنا بہتر ہے۔

''اذا تعارض مفسدتان روعی أعظمها ضرر ابار تكاب اخفهما''(۳۹)

اس وقت تو ہمارے سامنے یہ معاملہ تعارض کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ حضرت اسامہؓ والی حدیث نص صریح ہے جس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا اور اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کافر مسلمان اور مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا دوسری طرف وہ حاجت اور ضرورت ہے جس کا اگر مناسب حل نہیں نکالا جاتا تو اسلام قبول کرنے والے لوگوں کی رغبت میں کمی آتی ہے بلکہ بعض اوقات نومسلمین کے ارتداد کا بھی اندیشہ ہے لہٰذا ارتداد کا اندیشہ زیادہ بڑا ہے اس استثنائی صورت حال میں مسلمان کو چاہیے کہ وہ کافر کی وراثت میں سے اپنے حصے کا مال لے لے جیسا کہ اوپر کے فتاویٰ میں بھی بیان ہوا ہے۔

اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور یورپی افتاء کونسل کے دیگر اراکین کی طرف سے دیا گیا

فتویٰ جس میں غیر مسلم اقرباء کی وراثت سے حصہ لینے کا جواز پایا جاتا ہے زیادہ مناسب اور مصلحت پر مبنی دکھائی دیتا ہے کیونکہ غیر مسلم مما لک کے مخصوص ماحول میں اس بات کا بھی اندیشہ موجود ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد نو مسلمین افلاس کا شکار ہو جائیں جبکہ ان کے متمول والدین کی طرف سے چھوڑا ہوا ترکہ نامناسب مصارف یا مسلمانوں کے مفادات کے خلاف استعمال ہو لہٰذا اس مخصوص ماحول کے پیش نظر ان نو مسلمین کے لیے اپنے غیر مسلم اقارب سے مال لے لینے میں کوئی حرج تصور نہیں کیا جائے گا۔اس مال کو ھبہ یا وصیت کی شکل میں قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔(واللہ اعلم)

مراجع وحواشی

۱۔ ابن منظور۔(۱۹۸۸ء)۔لسان العرب۔بیروت: داراحیاء التراث العربی۔۲۶۶/۱۵

۲۔ مریم:۵:۶

۳۔ ابوالبرکات۔(۱۹۹۷ء)۔الشرح الکبیر۔(العزیز شرح الوجیز المعروف بالشرح الکبیر)۔بیروت: دارالکتب العلمیہ۔۶/۴۴۷

۴۔ سیف اللہ رحمانی۔(۲۰۱۳ء)۔قاموس الفقہ۔کراچی: زمزم پبلشرز۔۵/۱۵۵،۱۵۶

۵۔ وھبہ زحیلی۔(۲۰۱۲ء)۔الفقہ الاسلامی وأدلتہ (اُردو ترجمہ)۔کراچی: دارالاشاعت۔۵/۷۰۵

۶۔ ابن قیم۔(۱۹۹۵ء)۔احکام اہل الذمۃ۔دارالکتب العلمیۃ۔۲۱/۳۱۹

۷۔ محمد بن حسین علی۔البحر الرائق۔بیروت: دارالکتب العلمیہ۔۸/۵۵۶

۸۔ السرخسی۔المبسوط۔۳۰/۳۰

۹۔ بخاری۔(۱۹۹۹ء)۔الجامع الصحیح۔کتاب الفرائض۔باب لا یرث المسلم الکافر۔۱۱۵۷۔ریاض: مکتبہ دارالسلام

۱۰۔ علی بن احمد بن سعید ابن حزم۔المحلیٰ۔ بیروت: دارالجیل۔۹/۳۰۴

۱۱۔ المستدرک۔(۱۹۹۰ء)۔حدیث نمبر۸۰۰۷۔بیروت: دارالکتب العلمیۃ۔۴/۳۸۳

۱۲۔ محمد بن ابی بکر ابن قیم۔(۱۹۹۵ء)۔احکام اھل الذمہ۔دارالکتب العلمیۃ۔۱/۳۲۹

۱۳۔ علی بن عمر الدارقطنی۔(۱۹۹۳ء)۔سنن الدارقطنی۔حدیث نمبر۶۔بیروت: داراحیاء التراث العربی۔۴/۹۶

۱۴۔ ایضاً۔حدیث نمبر۱۶۔۴/۷۲

۱۵۔ احمد بن حسین البیہقی۔(۱۹۹۶ء)۔السنن الکبری۔بیروت: دارالفکر للطباعۃ والنشر۔۹/۲۵۸

۱۶۔ ابن ابی شیبہ۔(۱۹۹۵ء)۔المصنف۔حدیث نمبر۳۱۴۳۹۔بیروت: دارالکتب العلمیہ۔۶/۲۸۷

۱۷۔ المائدہ۵:۵۱

۱۸۔ الانفال۸:۷۳

۱۹۔ ابن قدامہ۔(۱۹۹۹ء)۔المغنی۔ریاض: دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع۔۹/۱۵۸

۲۰۔ شیخ نظام۔(۲۰۰۰ء)۔فتاویٰ ھندیہ۔بیروت: دارالکتب العلمیۃ۔۶/۵۰۳

۲۱۔ ابن قدام۔المغنی۔۹/۱۵۸

۲۲۔ عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری،۱۲/۵۰، باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم، دارالمعرفۃ بیروت، (س۔ن)

محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری۔(۱۹۹۰ء)۔المستدرک علی الصحیحین۔حدیث نمبر ۸۰۰۶۔بیروت: دارالکتب العلمیۃ۔۴/۳۸۳

۲۳۔ امام سرخسی۔المبسوط۔۳۰/ ۵۷

۲۴۔ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری۔۱/ ۳۸۳

۲۵۔ محمد بن علی بن محمد الشوکانی۔(۱۹۹۴)۔نیل الاوطار۔ بیروت: دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔۵/ ۱۸۷،

۲۶۔ بخاری۔الجامع الصحیح۔کتاب الفرائض۔باب لا یرث المسلم الکافر۔۱۱۶۷

۲۷۔ سرخسی۔(س۔ن)۔المبسوط۔بیروت: دار المعرفۃ۔۳۰/ ۳۰

۲۸۔ احکام اہل الذمہ۔۲/ ۳۲۹

۲۹۔ المغنی۔۹/ ۱۵۵

۳۰۔ احکام اہل الذمہ۔۱/ ۳۲۹

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ یوسف القرضاوی۔(۲۰۰۱ء)۔فی فقہ الاقلیات المسلمۃ۔القاہرہ: دارالشروق۔۱۲۸

۳۳۔ بخاری۔صحیح بخاری۔کتاب الدیات۔بال لا یقتل مسلم بالکافر۔حدیث نمبر ۶۹۱۵۔ص ۱۱۹۱

۳۴۔ فی فقہ الاقلیات المسلمۃ۔۱۲۸

۳۵۔ ایضاً۔ص ۱۳۱

۳۶۔ ایضاً۔ص،۱۳۱

۳۷۔ ابن حجر عسقلانی۔فتح الباری۔حدیث نمبر ۱۴۵؛ سنن الدارمی۔۴۲۲۔حدیث نمبر ۳۰۳۰

۳۸۔ ابن عربی۔(۱۹۸۸ء)۔احکام القرآن۔۲/ ۵۲۵۔بیروت: دارالکتب العلمیہ

۳۹۔ محمد نعمان۔(۲۰۱۴ء)۔قواعد الفقہ۔کراچی: ادارۃ المعارف۔ص ۱۳۹